**JIBAS** (The International Journal of Islamic Business, Administration and Social Sciences) (Quarterly) Trilingual (Arabic, English, Urdu)
ISSN: APPLIED FOR (P) & (E)
Home Page: http://jibas.org
Approved by HEC in Y Category
Indexing: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, Euro pub.
PUBLISHER HABIBIA RESEARCH ACADEMY
Project of **JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,** Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.
Website: www.habibia.edu.pk,
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

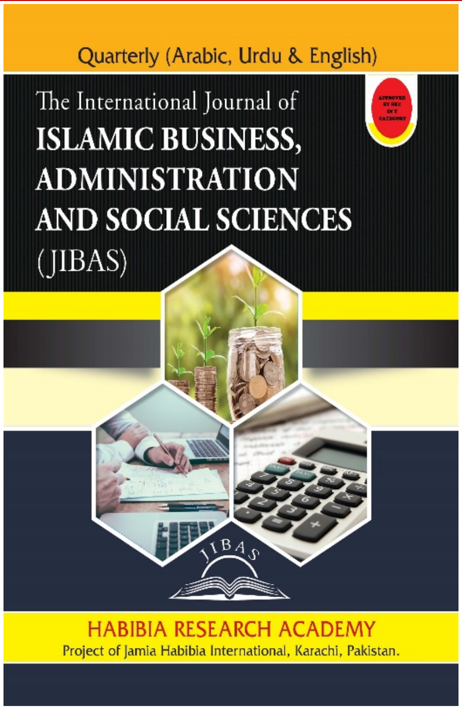


**TOPIC:**

# THE ROLE OF SOCIO-CULTURAL COHESION IN THE UNITY OF THE PEOPLE DERA GHAZI KHAN

# ڈیرہ غازی خان کے لوگوں کے باہمی اتحاد میں سماجی و ثقافتی عوامل بالخصوص سرائیکی زبان کا کردار

**AUTHORS:**

1. *Hafiz Muhammad Fiaz, Saraiki Area Center, BZU, Multan. Email ID: fiaz.muhammad1@gmail.com Orcid ID: https://orcid.org/0000-0001-7780-9084*
2. *Dr. Muhammad Mumtaz khan, Assistant professor Saraiki IUB .Bahawalpur Email ID: 7776862@gmail.com Orcid ID: https://orcid.org/0000-0002-4888-9457*
3. *Dr. Ayaz Ahmad, Visiting Lecturer, Ghazi University D.G. Khan Email ID: ayazahmadayaz00@gmail.com Orcid ID: https://orcid.org/0000-0003-3849-8345*

**How to Cite:** *Fiaz, Hafiz Muhammad, Muhammad Mumtaz khan, and Ayaz Ahmad. 2021. "The URDU 3 THE ROLE OF SOCIO-CULTURAL COHESION IN THE UNITY OF THE PEOPLE DERA GHAZI KHAN: ڈیرہ غازی خان کے لوگوں کے باہمی اتحاد میں سماجی و ثقافتی عوامل بالخصوص سرائیکی زبان کا کردار". International Journal of Islamic Business, Administration and Social Sciences (JIBAS) 1 (4):39-48. URL: https://jibas.org/index.php/jibas/article/view/34*
Vol. 1, No.4 || October –December2021 || P. 39-48
Published online: 2021-12-30

QR. Code

# THE ROLE OF SOCIO-CULTURAL COHESION IN THE UNITY OF THE PEOPLE DERA GHAZI KHAN

## ڈیرہ غازی خان کے لوگوں کے باہمی اتحاد میں سماجی وثقافتی عوامل بالخصوص سرائیکی زبان کا کردار

*Hafiz Muhammad Fiaz Muhammad Mumtaz khan, Ayaz Ahmad,*

***ABSTRACT:***

*This paper primarily deals the cohesion of a plural society based on some common characteristics depending upon the co-related socio-economic issues i.e. ethnic and lingual aspects along with regional identity, peace, prosperity and single religion that promotes a collaborative culture in this small region. The word Culture is largely an important product of the human activities. It was always developed by the people in different region of the world. Various factors of human's life indicate the cultural assimilation or conflict among the societies. Dera Ghazi Khan which is an important region of Pakistan and it has consisted of several plural societies and multi ethnic and lingual groups. Even multi ethnic groups the region has various features of cultural assimilation. These features create integration among the people of Dera Ghazi Khan which is very important for peace, prosperity, mutual cooperation and internal harmony among the people. This Research Paper highlights the main features of cultural assimilation and its role in the integration of Dera Ghazi Khan.*

***KEYWORDS:*** *Dera Ghazi Khan, Society, Culture, Cohesion, Saraiki, Peace, Unity, etc.*

**تعارف:** ارسطو کے مطابق انسان سماجی جانور ہے اور وہ معاشرے میں تنہا نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنے بقاء کے لیے، قبائلی معاشرے سے جدید حالت میں تبدیل ہوا۔ انسان نے پر امن بقائے باہمی کے لیے کچھ اصول بھی وضع کیے۔ اس کی متحرک فطرت اسے جنگ کے لیے اکساتی ہے لیکن اس کی زندہ رہنے کی جدوجہد اسے روک دیتی ہے۔ بنی نوع انسان کی تاریخ جنگوں، لڑائیوں اور خونریزی سے بھری پڑی ہے لیکن اس نے امن کے لیے بھی جدوجہد کی۔ مختصر یہ کہ انسان دوہری نوعیت جنگ اور امن کا مجموعہ ہے۔ اس مقالے میں میں نے ڈیرہ غازی خان کے لوگوں کے مختلف اور کثیر نسلی گروہوں کے ساتھ جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لوگ دوسری مخلوق کے ساتھ تعاون کیوں کرتے ہیں؟ اس معاشی وجود میں، سماجی ضروریات یا سیاسی مجبوری نے دوسرے لوگوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے پر مجبور کیا؟ اور لوگ اپنی مادری زبان سے دوسری زبان کی طرف اپنی ذاتی مجبوریوں، سیاسی و معاشی مفادات اور باہم ثقافت پذیری کے سبب جذب ہو کر معاشرتی ربط کا حصہ بنے۔ اس موضوع کے ذریعے ہم باہم ربط پیدا کرنے والی معاشرتی جہتوں کو واضح کرتے ہیں۔

**تحقیقی طریقہ کار:** اس تحقیقی مقالے کے لیے میں نے تاریخی طریقہ اختیار کیا ہے جس میں اقداری نقطہ نظر ہے اور ڈیٹا اکٹھا کرتے ہوئے پرائمری اور سیکنڈری سورسز دونوں کو استعمال کیا ہے۔ تاریخی مواد میں کتب، آرٹیکل اور مضامین شامل ہیں۔

**ادب کا جائزہ:** تحقیق کے اس حصے کے لیے، میں نے سب سے متعلقہ لٹریچر یعنی، ہندوستان کی تاریخ، تاریخ ڈیرہ غازی خان، مرقع ڈیرہ غازی خان، گلبہار، تاریخ ڈیرہ غازی خان، تہذیبی خدوخال، گزٹیٹر، مردم شماری کی رپورٹس شامل ہیں۔ . یہ دستاویزی مواد اس تحقیق کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔

**موضوع پر بحث:** خطہ ڈیرہ غازیخان کثیر النسل قوموں اور قبیلوں کا حسین امتزاج رکھنے والا منفرد علاقہ ہے جو چاروں صوبوں کے سنگھم پر واقع ہے۔ سولہویں صدی میں بلوچ قوم کی اس خطے میں آباد کاری کے نتیجے میں ایک مخلوط ثقافت کا ارتقاء ہوا۔ اور سرائیکی زبان باہمی ربط و ہم آہنگی کا اہم ذریعہ بنی۔[1] اس کے علاوہ بھی مختلف قوموں اور قبائل کے مابین ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے ثقافتی ملاپ اور باہمی تفہیم کے لیے مختلف اہم عوامل ہیں۔ سماجی حدود ایک تصور ہے جو فریڈرک بارتھ نے اپنی 1969 میں ترمیم شدہ کتاب "نسلی گروہ اور حدود" میں دیا تھا۔ اس گروپ میں اس نے نسلی 'شناخت' کو ایک نئی جہت دی یہ کام سماجی بشریات کی تاریخ میں ایک سنگ میل تھا۔ اس نے نسل اور شناخت کے تمام پرانے نظریات سے انکار کیا۔ ان مرتب کردہ مضامین سے پہلے کبھی بھی سماجی بشریات پر کوئی خاطر خواہ کام نہیں کیا گیا۔ " عملی طور پر تمام بشریاتی سوچ اس بنیاد پر قائم ہے کہ ثقافتی تغیر بے ترتیب ہے۔ کہ ایسے لوگوں کے مجموعے ہیں جو بنیادی طور پر ایک مشترکہ ثقافت، اور ساختی اختلافات کو بانٹتے ہیں اور ہر ایک ایسی الگ ثقافت کو دوسرے سب سے ممتاز کرتے ہیں۔ اس طرح اس نے ثقافتی نظریات کی بھی تردید کی۔[2]

ثقافت کسی نسلی گروہ سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ مجموعی طور پر ایک مشترکہ سماجی حدود میں رہنے والے لوگوں کے ایک گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس طرح نسلی اور نسلی انضمام کی پرانی بندش معاشرتی حدود کو اپنا لیتی ہے جس میں مختلف نسلی گروہوں کی باہمی زندگی جڑی ہوئی ہوتی ہے، "اس نقطہ نظر سے جانچ پڑتال کا تنقیدی طریقہ نسلی حد بن جاتی ہے جو گروپ کی وضاحت کرتی ہے، نہ کہ ثقافتی مادے کی". ڈیرہ غازی خان میں بلوچوں نے اپنی نسلی شناخت چھوڑ کر بہت زیادہ سرائیکی اختیار کی ہے۔ اب وہ مختلف نسلی، لسانی اور سماجی پس منظر کو ترک کر کے ایک مشترکہ شناخت کرواتے ہیں اور علاقے سے باہر ڈیروی یا ڈیرے وال ان کی شناخت ہے۔ مثلاً بلوچوں کی ایران سے مکران اور پھر پنجاب میں جاٹوں کے ساتھ رہائش اختیار کرتے ہوئے انہیں خود کو یہاں کی ثقافت کے مطابق ڈھالنا پڑا۔ اسی طرح یہ لوگ جب میدانی علاقے میں وارد ہوئے تو جاٹوں کا معاشرتی و معاشی اثر قبول کیا چنانچہ پنجاب میں منتقل ہونے کے بعد بلوچ کاشتکاری بھی کرنے لگے اور زراعت میں مہارت حاصل کرلی۔[3] اسی طرح سندھ اور بلوچستان میں انہوں نے مویشیوں کو پالنا اپنا پیشہ بنایا۔ اور آہستہ آہستہ مقامی لوگوں کے ساتھ سرائیکی بولنے لگے اور اس اس علاقے کے کلچر کو اپنا لیا۔ اب وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر باہمی شادیاں کرتے ہیں ان کے قبیلے میں اور نچلے معاشرے کے لوگ ہمسائیگی ثقافت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مغرب سے بڑے پیمانے پر ہجرت اور آبادکاری نے بلوچوں کو مزید مختلف علاقوں میں ہجرت کرنے پر مجبور کیا، اس دوران جاٹوں نے اس عمل میں ان کے ساتھ مل کر بلوچ لوگوں کو یہاں آباد ہونے کا موقع دیا اور یوں ان کی مسلسل آمد نے ان کی اس علاقے میں آبادی میں کئی گنا اضافہ کیا۔ "یہ بلوچوں کے سرائیکی خطے میں آباد ہونے کی نئی شناخت ہے اور یہی ایک وجہ ہے۔ کہ اب بلوچ نسل ہونے کا دعوی کررنے والوں کی ایک بڑی تعداد اب اپنی مادری زبان بلوچی سے نا آشنا ہو کر سرائیکی بولتی ہے جس کے باعث انکی نسلی شناخت ان کے ذاتی شجرہ نسب یا ان کی ذاتی یاداشتوں تک محدود ہو کر تاریخ کے اوراق کا حصہ بنتی جارہی ہے۔[4] یہ بھی واضح ہے کہ بلوچوں کی آمد کو ایک بڑا وقت گذر چکا ہے۔[5]

اس خطے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہاں مسکن بنانے والی تمام قوموں نے یہاں کی مقامی زبان کو ہی اپنایا۔ کچھ لوگ ہندوستان سے آنے والے مہاجروں کی مثال دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ثقافت کو بر قرار رکھا ہوا۔ مگر یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ ہندوستان سے آنے والے مہاجرین کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا اور ابھی وہ اپنی زبان اور روایات کے امین ہے تو یہی امر ڈیرہ غازی خان سے جانے والے سرائیکیوں میں بھی موجود ہے جو آج بھی ہندوستان میں مہاجر بن کر گئے اور سرائیکی بولتے ہیں۔ معاشرتی ہم آہنگی کے تناظر میں ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ مہاجرین کی نئی نسل اب سرائیکی بولنا شروع کر چکی ہے اور اس علاقے کی ثقافت میں گھلتی ملتی جا رہی ہے۔ حتیٰ کہ شادی بیاہ جیسے معاملات بھی اب طے ہونے لگے ہیں جب کہ سرائیکی بولنے والے لوگوں نے مہاجروں کی معاشرت میں رہتے ہوئے ان کی زبان یا لہجوں کو اختیار نہیں کیا۔[6] اسی طرح شمال مغرب سے آنے والے پشتون بھی ایک بڑی تعداد میں یہاں موجود ہیں جن کے معاشرتی رواجات مختلف ہیں مگر وہ بھی اس خطے کی ثقافت کے رنگ میں رنگتے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صرف ڈیرہ غازیخان ہی نہیں پورا جنوبی پنجاب جس میں مختلف ثقافتی تنوع ہے اس کے باوجود بھی لوگ اس علاقے کو سرائیکی خطہ گردانتے ہیں۔ بلوچوں اور مہاجروں میں ایک اہم فرق یہ بھی ہے کہ مہاجروں پاکستان میں داخل ہونے کے بعد شہروں میں بسنے کو ترجیح دی جبکہ بلوچوں نے زیادہ توجہ دیہی علاقوں میں دی اور انہوں نے گلہ بانی و کاشت کاری کو ذریعہ معاش بنایا جس کے باعث ان میں ثقافت پذیری زیادہ موثر انداز میں ہوئی۔[7]

لسانی تبدیلی کے اثرات مختلف گروہوں کی دوسرے نسلی گرہوں کے ساتھ یا دوسری زبان کے اوپر پڑتے ہیں۔ لوگ کئی وجوہات کی بنا پر دوسری زبان اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ جن میں ایک مقصد مختلف لسانی گروہوں کے درمیان رابطے کے لیے ہو سکتا ہے جو ایک طویل عرصے سے اکٹھے رہائش پذیر ہوں۔ انہیں تجارت، مواصلات اور دیگر سماجی ضروریات کے لیے دوسرے لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنا پڑتی ہے۔ کبھی لوگوں نے دوسری زبان کو سٹیٹس سمبل کے طور پر اپنا لیا۔ جیسے آجکل انگریزی بطور فیشن بولی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ زبان کی تبدیلی مختلف لسانی اور نسلی گروہوں کے انضمام اور انضام کی ایک اہم وجہ بنتی ہے۔ اس طرح جب ہم اس خطے پر نظر دوڑاتے ہیں تو مختلف نسلی گرہوں نے اپنی زبان کے بر عکس اس خطے کی زبان جس کے عرف عام میں سرائیکی کہتے ہیں کیوں اختیار کیا تو یہ ایک اہم سوال ہے اور اس کا دلچسپ پہلو اور جواب یہ ہے کہ آنے والے لوگوں کو اس خطے میں ہمکلام ہونے کیلئے مقامی زبان سے واقف ہونا ضروری تھا۔ چونکہ انہوں نے اپنی منتقلی کے بعد جب اس خطے کو مرکز بنایا تو اس کے نتیجے میں مقامی لوگوں کے خیالات کو جاننے کیلئے انہیں مقامی زبان سے مجبوراً بھی رشتہ جوڑنا پڑا اور وہ سرائیکی بوجہ ضرورت بولنے لگے۔[8] یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں بالکل ایسے ہی ہے جیسے آج کے جدید دور میں مختلف طلبہ کو پاکستان سے باہر جانے کیلئے اسی ملک کی زبان میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے جہاں انہوں نے حصول علم کیلئے جانا ہوتا ہے۔ اور زبادانی میں مہارت کا باقاعدہ سرٹیفکیٹ بھی حاصل کرتے ہیں۔ سرائیکی چونکہ اس خطے کی بولی جانے والی سب سے بڑی زبان ہے اور باہم گفتگو کا سب سے بڑا ذریعہ ہے تو اس بنیاد پر ہر اس شخص نے اس میں کلام کرنا سیکھا جو اس خطے کو مسکن بنا کر رہائش پذیر ہوا۔ اس خطے کے ثقافتی ادغام میں ایک پہلو زبان کے اثر کا جس کو ہر طبقہ آسانی سے سے بولتا ہے۔ باہر سے آنے والوں نے مقامی لوگوں کی زبان میں بات

کرنا اس لئے بھی ضروری سمجھا کیونکہ معاشی اعتبار سے ان کی معاشی ترقی مقامی لوگوں کے ساتھ وابستہ تھی اور اس میں زراعت ہو یا تجارت مقامی لوگوں کی معاونت کے بغیر ان کی معاشی حالت کا بدلنا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ ان کی تجارت کے خریدار بھی مقامی لوگ تھا۔ اب ان منتقل ہونے والے لوگوں کی معاشرتی و ثقافتی بقا کیلئے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنے افکار کا پرچار کر سکیں اور لوگ ان کی فکر سے آگاہ ہوں جیسے اس خطے میں آنے والے صوفیاء نے مقامی زبان کو ذریعہ تعلیم و تربیت بنایا جس کہ سبب ان کا پیغام عام لوگوں تک پہنچا۔[9]

یہی وجہ ہے کہ ڈیرہ غازی خان کے معاشرے میں موجود مختلف نسلی گروہ سرائیکی زبان کی طرف مائل ہیں اور بالخصوص سرائیکی زبان کی طرف بلوچوں، پٹھانوں اور مہاجروں کی بڑی تبدیلی دیکھنا دلچسپ ہے کیونکہ شہر کی آبادی بڑی ہے۔ جو لوگ مختلف اوقات میں آباد ہوئے۔ وہ آہستہ آہستہ مقامی آبادی کے ساتھ ملتے جارہے ہیں اور سرائیکی بن چکے ہیں۔ یہ زبان کی سب سے بڑی تبدیلی تھی حالنکہ لوگ اپنی زبان اور نام ونسب پر ہمیشہ فخر کرتے ہیں مگر معاشرتی تبدیلی نے انہیں مقامی لوگوں کی زبان سرائیکی اختیار کرنے کی ترغیب دی جو کل وقتی ثقافتی پہلو ہے۔ اگر زبان کی تبدیلی کی شرح کو دیکھا جائے تو قیام پاکستان سے پہلے اس کا ایک عکس حسب ذیل ہے۔[10]

| Urdu | مقامی جٹا کی | بلوچی بولنے والے | کل بلوچ | مردم شماری |
|---|---|---|---|---|
| کوئی نہیں | 10,140 | 68,921 | 122,976 | 1881 |
| | 11,122 | 64,115 | 142,288 | 1891 |
| | 99,88 | 60,917 | 168,322 | 1901 |
| | 60,88 | 75.119 | 210,275 | 1911 |
| | 8313 | 71,723 | 201,275 | 1921 |
| | 92,84 | 59,528 | 223,592 | 1931 |

قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کے آمد سے اردو بولنے والوں کی ایک خاصی تعداد شہری علاقوں میں آباد ہونا شروع ہوئی جو ہندوستان کے مختلف مقامات سے آنے کے باعث مختلف لہجوں کے حامل تھے۔ جو اب مقامی رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں۔ جس کا اصل سبب مقامی زبان کی بالادستی ہے۔

چنانچہ یہ پہلو ہر جگہ ہے اگر پہاڑوں کے دامن میں دیکھیں تو جو بلوچ قبائل ابھی تک وہاں سکونت پذیر ہیں وہ بلوچی کی بالادستی کے باعث بلوچی مادری زبان کی حیثیت سے اب تک بول رہے ہیں۔ مگر ہر بلوچ فرد یا خاندان جو پہاڑ یا دیہات سے کی طرف ہجرت کرتا ہے تو شہری زبان کے اثر کی وجہ سے اپنی زبان کو قربان کرنا بیٹھتا ہے. لیکن پھر بھی بلوچ اکثریتی علاقوں کے لوگ اب بھی اپنی مادری زبان کو برقرار

رکھے ہوئے ہیں اور کچھ اپنی زبان کو بھی بہت تیزی سے بھول رہے ہیں۔ جب نوجوان بلوچ نسل اپنی مادری بلوچی کو بھول رہی ہے جو شناخت کے بحرانوں اور ان کے معاشرے میں دیگر ثقافتوں میں ضم ہونے کا تناؤ پیدا کرتی ہے۔ [11]

اسی طرح اب ایک نئی تبدیلی یہ بھی آئی ہے کہ مقامی زبانیں ایک دوسری میں ضم ہونے کی بجائے اردو میں شفٹ ہو رہی ہیں جس کی کچھ وجوہات میں ایک پہلو برطانوی دور کی فارسی سے مماثلت رکھتا ہے جب فارسی سے حکومت نے ناطہ توڑ لیا اور پڑھو فارسی بیچو تیل کے محاورے کی گونج سنائی دی تو لوگ انگریزی کی طرف مائل ہوئے۔ اس طرح جہاں حکومتی دلچسپی کا پہلو تھا وہیں لوگوں کے معاشی مفادات کی بقا کا بھی عنصر تھا جس کی خاطر زبان میں تبدیلی کا عمل نظر آیا۔ آج بھی جب ہم اس مثال کا تجزیہ کرتے ہیں تو یقیناً معاشی ارتکاز کے اثرات کی وجہ سے بلحاظ مجموعی عملی طور پر زبان کی موافقت میں تبدیلی آئی ہے سرائیکی، بلوچ اور مہاجر شناخت کے سحر سے نکل کر ملازمت کی تلاش کے لیے قومی زبان کی طرف راغبت اختیار کر رہے ہیں جو ان کی معاشی مجبوری ہے اسی طرح سکولوں میں تعلیم کا ذریعہ اردو اور انگریزی ہونے سے ان کیلئے یہی بقا کا پہلو رہ گیا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کیلئے معاشرتی وثقافتی ہم آہنگی کے جو پیمانے موجود ہیں ان کو اپنا لیں۔

ساتھ ہی عصر حاضر کی میڈیا مہم نے ٹیکنالوجی کو اور جدید علوم کو پسند ناپسند کے چکر سے نکال کر جدید دور کا محکوم بنا دیا ہے.

جس کے نتیجے میں نسل نو نے معاشرتی قطع تعلقی کے جدید خطوط پر استوار ہونے والی ایجادات سے ناطہ جوڑ کر مستقبل کا انتخاب کر لیا۔ اس ترغیب میں پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا کے ساتھ اس وقت کے سوشل میڈیا، انٹرنیٹ اور کیبل کے وسیع پھیلاؤ نے نئی نسل کو اپنی مادری زبانوں سے منتقل کر دیا ہے۔ گوگل کی خدمات کے سبب تراجم کی سہولت نے بھی زبانوں کے ارتقاء اور ادغام میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اس لئے اب زبان معاشرتی وثقافتی ہم آہنگی میں کوئی مسئلہ نہیں رہی۔ اب لسانی مسائل کے برعکس معیشت مسئلہ ہے جس سے ہر شخص منسلک ہے۔ [12]

ڈیرہ غازی خان میں ثقافتی ہم آہنگی اور یگانگت میں ایک اور موثر پہلو مذہبی ہم آہنگی کا ہے۔ خطہ کی آبادی پر اگر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام آبادی کا یکتا غالب مذہب ہے۔ اسلام کے برعکس دوسرے مذاہب جن میں عیسائیت یا ہندوازم ہیں ان کا وجود آٹے میں نمک کے برابر بھی موجود نہیں۔ اگر مذہب کو دیکھا جائے یہ معاشرتی یکجہتی کا سب سے بڑا پہلو ہے جو اپنے ماننے والوں کو ایک نظریے کی بنیاد پر جکڑ کر رکھتا ہے۔ پھر اگر مذہب اسلام ہو تو اس کا فلسفہ دیگر مذاہب سے یکسر مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے فلسفہ معاشرت میں اتحاد کا پہلوں نمایاں ہونے کے ساتھ یہ اپنے پیروکاروں کو جوڑتا ہے۔ اور ان کے درمیان عالم گیریت پیدا کرنے کا سبب ہے۔ عالم گیریت کا یہ رشتہ اخوت کی بنیاد پر ہے جس کے حوالے سے اسلام اپنے ماننے والوں کو بھائی بھائی قرار دیتا ہے۔ اب اگر مذہب کی بات کی جائے تو یہ ایک یقین واثق ہے جو روگردانی کی جازت نہیں دیتا چنانچہ جب مذہب کو بطور معاشرتی وثقافتی اعتبار سے دیکھتے ہیں تو ڈیرہ غازیخان میں بسنے والے لوگوں کی یکجہتی کا یہ اہم مظہر ہے۔ [13]

مذہب اسلام کے زیر اثر حنفی مکتب فکر نے معاشرے کو مزید متاثر کیا سنی بریلوی فرقہ اس کے باشندوں میں زیادہ مقبول ومشہور ہے جس کی روایات کو اگر دیکھیں تو یہ صوفیاء سے متاثر اور ان کے نظریات کا پرچار کثرت سے کرتا ہے۔ اس کے نظریات میں صلح جوئی، امن پسندی اور نرمی نے معاشرے میں انتہاپسندی کو کاری ضرب لگائی کیونکہ صوفیاء کا طرز عمل انسانیت کی فلاح اور ایک معتدل ومتوازن معاشرے کا قیام تھا جس نے امن پسندی کے فلسفے کو پروان چڑھاتے ہوئے رواداری وبردباری کے مزاج کو معشارے میں پروان چڑھایا۔ اس خطے میں صوفیاء کے مزارات کی کثرت نے لوگوں میں ایک ایسا جذبہ ابھارا جس کے باعث متشدد قوتوں کو خاص پذیرائی نہ ملی۔ مسلمان اکثریت میں ہونے کے باعث اکثر اسلامی روایات لوگوں کے حقوق کو یقینی بناتی ہیں۔ اسی سبب برائے نام غیر مسلم خواتین کو بھی وہ مقام حاصل ہے جو مسلمان عورت کو عزت کے اعتبار سے ملتا ہے۔ جیسے ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ دیہات میں ہندو مقامی مسلمانوں کی رسومات اور روایات کو اپناتے ہیں مثال کے طور پر وہ مسلمان عورتوں کی طرح ہندو عورتیں روپ اختیار کرتی ہیں اور بہت سے لوگ حضرت سخی سرور کے مزار پر آتے جاتے ہیں۔" تقسیم کے بعد کے دور میں زیادہ تر سنی مسلمان تھے۔ اگر اب بھی دیکھا جائے تو سنی بریلوی اکثریت میں ہیں اور یہ مسلمانوں کو نرم مزاج ہیں۔ [14]

اسی طرح ڈیرہ غازیخان کی مذہبی مجالس میں بریلوی مکتبہ فکر یا بریلوی فرقے کے رہنما دیہاتی برادری کو اپنی طرف زیادہ راغب کرتے ہیں جو اپنے علاقوں میں اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور ساتھیوں کے علاوہ عقیدت مندوں کے لیے بہت زیادہ عزت واحترام رکھتے ہیں۔ قدیم و جدید ڈیرہ غازی خان کا علاقہ بے شمار صوفیوں اور پیروں سے گھرا ہوا ہے۔ جن میں حضرت سلطان سخی سرور، حضرت خواجہ غلام فرید آف کوٹ مٹھن، حضرت خواجہ محمد شاہ سلیمان تونسوی، حضرت سید سلطان احمد پیر عادل، اور پیر فتح شاہ، پیر عبدال شاہ اور ہم عمر نورنگ شاہ اور شاہ اور پیر ملا قائد شاہ، پیر کرم علی شاہ مشہدی المعروف خواجہ کرمل، حضرت امام الدین شاہ ان میں سے چند ہیں۔ کثرت کے اس کلچر نے ایک پرامن بقائے باہمی اور ثقافتی انضمام پیدا کرنے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں جس سے انکار یا روگردانی ممکن نہیں۔ [15]

.اس طرح خطے میں شیعہ اور سنی دیوبندی مسالک بھی موجود ہیں جن کے درمیان ہم آہنگی کا فقدان ہے جو کہ ملکی سطح پر ہے مگر اب تک اللہ کے فضل وکرم سے دیوبندی اور شیعہ کے درمیان فرقہ وارانہ تشدد کا کوئی بڑا مسئلہ موجود نہیں اور معاشرتی ہم آہنگی ہے جس میں لین دین، تجارت، دکھ سکھ شادی بیاہ، کے معاملات میں ہم آہنگی ہے البتہ اکا دکا واقعات کا ہونا موجود ہے اور اتنے واقعات ترقی یافتہ معاشروں میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ کیونکہ انتہاپسند اور سخت مزاج لوگ ہر معاشرے کا حصہ ہیں مگر وہ کسی معاشرے کے مکمل نمائندے نہیں ہوتے۔ البتہ جو ماحول صوفی اسلام نے لوگوں کے رویوں میں مزید رواداری لائی اس کا ثانی نہیں انہوں نے مختلف نسلی اور مذہبی گروہوں کی تربیت کرنے میں مدد دی اسلام کے مختلف فرقوں کو مختلف نسلی گروہوں اور سماجی طبقات نے پسند کیا، جس نے ان گروہوں کو اپنی الگ شناخت برقرار رکھنے میں بھی مدد دی۔ یہی وجہ کہ نچلے اور متوسط طبقے کے لوگوں کو بریلوی مسلک اسلام جبکہ امراء طبقہ دیوبندیوں میں زیادہ مقبول ہوا۔ اور یہ بات عام ہے کہ اشرافیہ میں دیوبندی اور اہل حدیث فرقے غالب ہیں۔ [16]

شہر میں مقامی آبادی میں بریلویوں کی اکثریت ہے البتہ شیعہ مسلک بھی ہے۔ بلوچ کم مذہبی ہیں مگر زیادہ سنی ہیں البتہ اب کچھ دیوبندی اور اہل حدیث مسلک کی طرف بھی مائل ہورہے ہیں۔ پٹھان زیادہ تر دیوبندی مسلک سے منسلک ہے تھوڑا بہت بریلوی بھی ہے۔ اسی طرح ڈیرہ غازیخان میں اور اس کے مضافات میں اہل حدیث بھی متعارف ہورہے ہیں خصوصاً جمعیت اہل حدیث کے حافظ عبدالکریم کی کوششوں سے جو مسلم لیگ کے تعاون سے قومی اسمبلی کے رکن بنے تھے۔ لوگوں کی رائے میں اہل حدیث کم علم رکھتے ہیں اور صرف پیسے کی بنیاد پر مسلک ترقی کررہا ہے لیکن اس حوالے سے پھر بھی لوگوں کو ان کے بارے میں سخت تحفظات ہیں کہ یہ سخت گیر ہیں۔ مہاجروں میں بریلوی ہونے کا رحجان زیادہ ہے کچھ دیوبندی بھی ہیں البتہ شیعہ کی طرف کوئی مائل نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے ہجرت کردہ علاقے میں مسلک اہل تشیع کی زیادہ جڑیں نہیں تھیں۔ وہ صرف اپنی لسانی و قومی شناخت پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔[17]

معاشی بہتری کسی بھی معاشرے میں بسنے والے لوگوں کی اولین ترجیح ہوتی ہے اور اس سوچ میں کوئی فرد کسی رنگ و نسل کی بنیاد خاموش نہیں رہتا۔ مختلف سماجی و لسانی گروہ کے افراد حصول معاش کیلئے جب مختلف پیشے اپناتے ہیں تو معاشی حیثیت کے ساتھ ساتھ یہ مختلف معاشرتی گروں کے درمیان باہمی تعلقات کا سبب بنتے ہیں۔ جس کی بدولت معاشرہ جمود کی ہیجانی کیفیت سے نکل کر باہمی اشتراک اور تعاون کی راہوں پر چلنے لگتا ہے۔ جس کے سبب لسانی، مذہبی اور ثقافتی تعاون کو فروغ ملتا ہے۔ اگر معاشرے میں روزگار اور معاشی وسائل کے یکساں مواقع بلا تخصیص مہیا کئے جائیں تو اس کے نتیجے میں ایک مشترکہ ثقافت کو فروغ ملتا ہے۔ نسلی تنازعات بھی وسائل میں غیر مساویانہ طرز عمل کلیدی کردار ادا کرتا ہے چنانچہ اس کا سدباب ممکن ہے اور پیشوں کی منصفانہ تقسیم نسلی تنازعات کے امکانات کو کم کرتی ہے اور مختلف نسلی گروہوں کے درمیان ہم آہنگی کی سطح کو بڑھاتے ہوئے ثقافت پذیری کو جنم دیتی ہے یہی وہ وجہ ہے جس کی بنیاد پر . صدیوں سے لوگوں نے اپنی سماجی حدود کو برقرار رکھا ہے جس کے نتیجے میں افراد مخصوص پیشوں میں مہارت حاصل کرنے لگے۔ حالانکہ دنیا کے اندر معاشرتی ارتقاء کے وقت جب انسان پتھر کے زمانے میں زندگی گذاررہا تھا تو وہ خود سب کچھ کررہا تھا یا پھر بارٹر کو استعمال کررہا تھا۔ مگر وقت گذرنے کے ساتھ اس میں تبدیلی آتی گئی اور لوگ مخصوص پیشے اختیار کرنے لگے۔ جس کے نتیجے میں ایک معاشرتی حدود سے باہر کے لوگوں کے ساتھ بھی معاشرتی اشتراک پیشے کی وجہ سے پیدا ہوا کیونکہ اگر کوئی جولاہا تھا تو کسان نہیں تھا تو وہ ایک دوسرے کی معاونت حاصل کرتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب آنے لگے۔[18]

ڈیرہ غاازیخان میں آج بھی دیکھیں تو بازاروں میں کاروباری طبقہ مہاجر ہے، سرائیکی اور بلوچ کاشت کاری اور گلہ بانی کی طرف مائل ہیں بلوچ تمندار سیر اب اور خشک زمینوں کے بڑے حصوں اور تمندار کی سیاسی طاقت سے لطف اندوز ہوتے ہیں جو نوآبادیاتی حکومت کی خواہشات کے ساتھ مزید پھیلتی ہے۔ غریب بلوچ یا تو اپنے مویشی چراتے ہیں یا کاشت کاری کرتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد مساوات بدل گئی ہے اب عام بلوچوں کی اجارہ داری کاشت اور اشرافیہ کی سیاست . جبکہ پرانے ڈیرہ غازی خان میں؛ جاٹ زمین کے اہم مالک تھے۔ لیکن قصبے اور سیاست کی تبدیلی سے وہ پسماندہ ہوگئے۔

اسی طرح مقامی کاروباری منڈی کی معیشت نے سرکاری اور نجی دونوں شعبوں میں لوگوں کو جگہ دی ہے، مہاجر نے ہندو تاجروں کی طرف سے چھوڑا ہوا خلا پر کیا ہے، جبکہ مقامی لوگ کاشتکاری اور سرکاری ملازمتوں میں رہتے ہیں۔ یہ صورت حال اس وقت بدل سکتی ہے جب مہاجر تعلیم حاصل کرنے کے بعد سرکاری ملازمتوں کا مطالبہ کرے گا۔[19] تقسیم سے پہلے مقامی لوگوں کی محدود سرکاری ملازمتوں پر تنقید تھی بلوچ سیاسی قیادتوں نے بھی ان مواقع کو حاصل کرنے میں ان کی مدد کی ہے۔ سرائیکی نے ترجیح دی کہ سرکاری ملازمتیں حاصل کریں یا خلیجی ریاستوں میں جائیں تاکہ وہ روزی حاصل کر سکیں۔ پیشے کی ان تقسیم اور انحصار نے مختلف نسلی گروہوں کے درمیان محبت سے نفرت کا رشتہ پیدا کیا لیکن اب تک کوئی نسلی جھگڑا نہیں ہوا۔ سیاست اور انتظامی اکائیوں نے ڈیرہ غازی خان کے مختلف نسلی گروہوں کو بھی مضبوط کیا۔ مقامی، صوبائی اور مرکزی سطح پر سیاسی شراکت داری نے سیاستدان کو مختلف نسلی گروہوں کے ساتھ اتحاد کرنے پر مجبور کیا۔ ووٹ کے لیے بھیک مانگنے والا سیاستدان مذہبی، نسلی نسلی رکاوٹوں کو بھول جائے۔ یہ میٹروپولیٹن شہروں میں عام ہے جہاں مختلف نسلی گروہ ایک حلقے میں آتے ہیں۔ یہ انتظامی سیاسی مرکزیت بھی ملنے کا سبب بن گئی۔ ہر معاشرے میں دو بڑے گروہ بھی غلبہ رکھتے ہیں. ڈیرہ غازی خان بلوچ میں غالب سماجی اور سیاسی طبقات ہیں اور یہ غلبہ اس وقت کا ہے جب نوآبادیاتی حکومت نے انہیں سیراب زمین اور انتظامی طاقت کی خصوصی گرانٹ کے ساتھ بااختیار بنایا. مقامی، علاقائی اور قومی سیاست جیسے غالب گروہوں پر غالب گروہوں کا بالادست ہے۔ بر بلوچ سیاست دان نہ صرف اپنے نسلی گروہ پر گہرے ہوتے ہیں بلکہ انہیں اپنے دوسرے نسلی گروہ کے ووٹ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر الیکشن میں نسلی بنیاد پر سیاست ڈیرہ غازی خان میں ایک عام خصوصیت ہے۔[20]

علاقہ کی سیاست میں نسل نے اہم کردار ادا کیا۔ الیکشن کے دوران صوبائی باڈی کے الیکشن کے آغاز کے ساتھ ہی بلوچ کو سیاسی اتحاد کے لیے سرائیکی کو ایڈجسٹ کرنا پڑا۔ جیسے شہر کی نشست پر سردار ذوالفقار خان کھوسہ مسلسل کامیابی حاصل کی۔ اس کے علاوہ 2001 میں ایک نیا اتحاد قائم کیا گیا جس میں مہاجر خاندان کے ایک فرد سید عبدالعلیم شاہ کو پہلے شہر میں یونین کونسل کا ناظم بنوایا گیا اور پھر جنرل الیکشن 2002 میں ایم پی اے بن گئے اور ر 2013 کے عام انتخابات میں میں ایم پی اے بن گئے، اسی طرح این اے 172 کو ایک مستقل نشست سمجھا جاتا ہے۔ لغاری سردار تمندار پر مولنا عبدالکریم نے قبضہ کر لیا ایک مذہبی آدمی ارب پتی تاجر بن گیا۔ مقامی سیاست میں یہ بالکل نیا رجحان ہے۔ ڈیرہ غازیخاان کے معاشرے کا ایک بہترین وصف یہ بھی ہے کہ یہاں سیاسی منافرت اور شدت پسندی نہیں۔ لوکل الیکشن ہو یا جنرل لوگوں کے درمیان امن وامان کی فضا ہمیشہ شاندار رہی ہے اور کسی قسم کا سیاسی، لسانی تنازعہ پیدا نہیں ہوا۔ سیاستدان کیلئے ممکن نہیں کہ وہ لسانی، مذہبی اور ثقافتی امور میں رہتے ہوئے سیاست کر سکے۔ تو ڈیرہ غازیخان کے معاشرے کے باہمی اتحاد اور یگانگت میں سیاسی زعما کا کردار بھی مثالی ہے۔ بلوچ قبائلی سرداروں کے علاوہ موجود مذہبی و علاقائی سیاست دان بھی معاشرتی حوالے سے خاصے فعال کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ جن کے ایک واضح موقف کی بدولت ڈیرہ غازیخان کا معاشرہ ایک ایسا سیاسی یونٹ ہے جہاں مختلف النسل، زبان، سیاستدان معاشرتی اعتبار سے مثبت کردار کو ہی سامنے لاتے رہے ہیں۔ جس کے باعث ایک معتدل سیاسی فضا قائم و دائم ہے۔[21]

**تجزیہ:** مذکورہ بالا بحث واضح طور پر واضح کرتی ہے کہ لوگ باہمی مفادات کے کئی عوامل کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور اوجہ سے کہ لوگ سماجی و اقتصادی فوائد کے لیے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ وہ ہمیشہ نسل یا مذہب کی بنیاد پر معاشرے کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ عوامل ڈیرہ غازی خان کے معاشرے میں بھی پائے جاتے ہیں اور انہوں نے لوگوں کے علاقائی اور قومی انضمام میں کردار ادا کیا۔ چنانچہ اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ باہمی مفادات کا تحفظ متنوع معاشروں کچھ عوامل کے زیر اثر ہوتا ہے اور معاشرتی یکجہتی میں علاقائی و قومی شناخت کے ساتھ زبان، معیشت، سیاست اور یکساں مذہب لوگوں کو جوڑ کر رکھنے والے اہم عوامل ہیں جنہوں نے ڈیرہ غازی خان جیسے مخلوط معاشرتی اقتدار کے حامل لوگوں میں باہمی ربط کے جذبے کو مضبوط کیا ہے۔

**References**


[1].Abdul Qadir Lighari, Tareekh-e-Dera Ghazi Khan, Salman Academy, D.G. Khan, 1987, P.237.
[2]. Barth, F., Ethnic Groups and Boundaries the Social Organization of Culture Differences, 1969. P.85.
[3] . S.M. Shahid, Pakistani Muashra Aor Saqafat, Islam Abad, 2006, P.213.
[4] Barth, Fredrik, Ethnic Groups and Boundaries, Ed, Little Brown and company, 1969.P.86
[5] Dames, Mansel Longworth, The Baloch Race p.48.
[6] Gankovsky, Yuri V, Nations of Pakistan, Translated by MirzIshfaq Beg, Laahore: Fiction House, 2000. p.164.
[7] . Hameed Nazir, Saraiki Saqafat, 2005,,P.14.
[8] Wagha Ahsan, The development of Sairaiki Language in Pakistan,, 1998.
[9] Dames, Mansel Longworth, The Baloch Race p.48
[10] Gazetteers of the District, DERA GHAZI KHAN, 1883, Lahore, Reprinted by, Al-Mecca press p.18.
[11] Census, Reports, Dera Ghazi Khan. Islam Abad, 1998,
[12] Sardar Ghulam Rasool, Tarikh Balochian, Amratasar,1960, P.9
[13].Dera Ghazi Samaji & Siasi Tarqi Ak Jaiza, Lok Sunjan, Sahiwal, 2014, P. 72.
[14].M. Siraj Ahmad, Dera Ghazi Khan, Dera Ghazi Khan, Siasi Tareekh, Jhok, Multan,2018, P.41.
[15]. M. Siraj Ahmad, Mera waseeb, Jhok, Multan, 2013, P.11
[16] Changwani, Tareekh Dera Ghazi Khan, P.114
[17].Dr. Sohail Akhtar, Dera Ghazi Khan ky Muashry per, Sufia Kram ki Taleemat Ke Asrat, Rahatul Qaloob, July-2018, P.251
[18]. Tareekh-e-Balochan, P.36
[19]. H.Sher, Dera Ke Tahzeebi Khadokhal, Ilm-o-Irfan, Lahore, 1998,
[20]. Gazette of Election Result 2002-2018.,
[21]. Gazette of Election Result 2018.,



This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.